کتاب: ''سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ '' مصنف: شورش کاشمیریؒ

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے جواہر پارے

خطابت کے بارے میں شاہ جیؒ کے یہ خیالات حافظہ کی یادوں سے ماخوذ ہیں۔انہوں نے خطابت کی وادی میں چالیس برس سفر کیا اور لاکھوں فقرے زبان و بیان سے نکلتے رہے۔ان کے شرکاء سفر میں کوئی صاحبِ قلم ہوتا تو نطشے کی تالیف ''یہ قول زردشت'' کی طرح ایک ایسی کتاب تیار ہو جاتی کہ اردو خطابت صدیوں ناز کرتی ۔افسوس ان کے افکار و کلام کا وہ سرمایہ ہواؤں میں گھل مل گیا۔نتیجتاً قرطاس و قلم خالی رہ گئے...... بہرحال اپنی یادداشتوں اور دوستوں کی روایتوں سے چند کلمات نذر قارئین ہیں۔

☆ عمر بھر مسلمانوں کے دروازے پر دستک دیتا رہا۔جواب نہ آیا۔سوچتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی اجتماعی سرشت بوڑھوں کی ہمت، بچوں کی ضد اور عورتوں کی عقل سے تیار ہوتی ہے۔

☆ میرے اعضاء نے مجھ سے بغاوت کر دی ہے۔ہمت نہیں کہ آپ سے خطاب کروں۔ساری پونجی وہ نوجوان ہیں جو گھر سے اٹھا کر مجھے یہاں لے آئے۔حقیقتاً یہاں سزا کے طور پر کھڑا ہوں۔ان نوجوانوں نے سزا دی ہے اور میں نے سزا قبول کر لی ہے۔

☆ ہم دونوں بیمار ہیں ۔آپ بھی بیمار ،میں بھی بیمار ہوں۔مجھے سچ بولنے کا عارضہ ہے، تمہیں سچ نہ سمجھنے کی بیماری ہے...... آیئے! دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ دونوں کو شفا دے ورنہ......

جی کا جانا ٹھہر گیا ہے صبح گیا یا شام گیا

☆ میں بیان کرتا ہوں، بیان نہیں دیتا۔میری ساری زندگی کا خلاصہ یہی ہے ،مسلمانوں کی تاریخ کے بالاستیعاب مطالعہ نے مجھے یہ رائے قائم کرنے میں بڑی مدد دی ہے کہ ان کی پوری تاریخ کا لب لباب یہ ہے کہ وہ ڈنڈے والے کے آگے آگے اور پیسے والے کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں۔

☆ شاہ جیؒ کے چل چلاؤ کا زمانہ تھا۔اکثر و بیشتر محسوس ہوتا دل گرفتہ ہیں ۔ایک دن کسی نے کہا'' شاہ جیؒ !اس قوم نے آپ کو کچھ نہیں دیا؟''

فرمایا:'' پہلے کس کو دیا ہے کہ مجھے دیتی۔میں نے جو کچھ کیا اللہ کے لیے کیا۔'' ایک صاحب بولے:

'' بہرحال اتنی طویل جدوجہد کا صلہ یہ ہو تو شکستیں دل پر داغ چھوڑ جاتی ہیں۔''

فرمایا: ''مجھے اپنی قوم سے کوئی امید نہ تھی۔ اگر وہ بہتر سلوک کرتی تو حیرت ہوتی۔ اس قوم نے میرے باپ سے جو کربلا میں کیا اور میرے نانا سے جو مکہ میں کیا، وہ گویا میرا ورثہ تھا۔ اس قوم کو وہی کرنا چاہیے تھا جو میرے خاندان سے کر چکی اور میرے اسلاف سے کرتی رہی ہے۔ جو کچھ میرے ساتھ ہوا اس سے مطمئن ہوں۔ سلوک مختلف ہوتا تو متعجب ہوتا۔ البتہ اس قوم کے انجام سے متفکر ہوں۔ مبادا یہ قوم...... برِ عظیم سے محو نہ ہو جائے۔''

☆ سلطان ابن سعود نے حجاز میں جلسے کروانے شروع کیے تو برِ عظیم کے ان علماء و مشائخ نے آسمان سر پہ اٹھا لیا جن کے پیرو ؤں نے ان سے تعویذ لے کر زندہ عربوں کو کوجلایا اور پہلی جنگِ عظیم میں بھرتی ہو کر خلافت عثمانیہ کو تاراج کیا تھا۔ شاہ جیؒ اور ان کے رفقاء ابن سعود کے طرفدار تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ابن سعود کے خلاف جو کچھ ہو رہا ہے، وہ انگریزوں کی سیاست کاری ہے اور اب وہ لوگ فتنہ اٹھا رہے ہوں جو پہلی جنگِ عظیم میں انگریزوں کے ریکروٹنگ ایجنٹ تھے۔

☆ شاہ جیؒ بھی وہابی ہونے کی زد میں آ گئے۔ ڈیرہ غازی خان میں ختم نبوت کے مسئلہ پر تقریر کر رہے تھے۔ کسی نے سوال کیا:

''حضرت قبوں سے متعلق کیا خیال ہے؟''

مجمع پیر پرست اور قبر پرست...... فرمایا:

''روضہ تو ایک ہی ہے اور وہ ہے گنبدِ خضریٰ تلے سونے والے کا، اس کے بعد کوئی دوسرا روضہ شرک فی النبوت ہے۔'' لوگ تھے کہ واہ واہ کر اٹھے۔ سبحان اللہ، جزاک اللہ فی الدارین۔

☆ عمر بھر قرآن سنا تا رہا ہوں۔ میں نے جس محاذ پر کام کیا، قرآن ساتھ رکھا اور کبھی افتراق بین المسلمین کے لیے استعمال نہیں کیا۔ اس سے انسانوں کو لڑایا نہیں، ملایا ہے۔

☆ اگر دنیا سے قرطاس و قلم ختم ہو جائیں تو بھی یہ کتاب جوں کی توں رہے گی۔ یہ سینوں کی کتاب ہے۔ دنیا میں کسی کتاب کی اشاعت اتنی نہیں ہوئی جتنا قرآن کے حافظ ہوئے ہیں اور اب بھی ہیں۔

مجھے فکر و نظر کے لیے کسی کتاب کی ضرورت نہیں، میں قرآن پڑھتا ہوں اور قرنِ اوّل میں گھومتا ہوں۔ جس کتاب سے انسان میں فقر و استغنا اور جہد و غیرت پیدا ہو، وہ سب سے بڑی کتاب ہے اور قرآن کے سوا کوئی دوسری کتاب ایسی نہیں ہے۔

☆ انبیاء نہ آتے تو کائنات ایک ایسی کتاب ہوتی جس کے ابتدائی اور آخری صفحات کھو گئے ہوں۔ یہ چیز انبیاء ہی کی معرفت بنی نوع انسان کو ملی ہے کہ انسان اور اس کے رب کے مابین کیا رشتہ ہے۔

☆ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین، رسالت مآب ﷺ کی دعوت پر قائم شدہ معاشرے کے ابتدائی فرد تھے۔ انہیں دعوتِ رسول ہی نے تیار نہیں کیا تھا بلکہ ان کی تربیت میں نگاہِ رسول شامل تھی۔ جو لوگ ان مقدس ہستیوں پر اعتراض کرتے۔ وہ رسالت مآب ﷺ کی ہیٹی (خاکم بدھن) کرتے ہیں کہ اللہ کے آخری پیغمبر اپنے رفقاء کو بنانے اور پہچاننے سے قاصر رہا۔ اس طرح وہ لوگ حضور ﷺ کی نبوت پر بالا رادہ حملہ آور ہوتے ہیں۔ اگر رسالت مآب ﷺ اپنے رفقاء کے دل میں

قرآن نہ اتار سکے تو پھر کون رہ جاتا ہے۔جس کے متعلق یہ کہنا ممکن ہے کہ اس کی بدولت فلاں عہد کے انسانوں نے اپنے تئیں اسلام کے سپرد کیا تھا۔

☆ایک نے سوال کیا حضرت عائشہ اور حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہما) میں کیا فرق ہے؟ فرمایا اس قسم کے سوال نہ کیا کرو۔سوالات میں چور ہو تو دل کافر ہوتا ہے...... خدیجہؓ محمد بن عبداللہ کی بیوی اور عائشہؓ محمد رسول اللہ کی زوجہ تھیں۔امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے متعلق دل کا چور نکال دو۔حضور (ﷺ) عائشہ (رضی اللہ عنہا) ہی کے حجرہ میں آرام فرما رہے ہیں۔حضور ﷺ پیار سے انہیں حمیرا کہہ کر پکارتے تھے اور عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کے لیے جبرائیل نے قرآن کے کٹہرے میں کھڑے ہو کر صفائی دی ہے۔

☆جو لوگ اس سے پریشان ہوتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلفائے راشدین میں آخری خلیفہ کیوں تھے؟ تو گویا ان کے نزدیک آخری ہونا بمنزلہ اہانت ہے۔انہیں معلوم ہے کہ رسول اکرم ﷺ آخری نبی تھے۔

☆کسی قصبہ میں تقریر کرنے جا رہے تھے۔دیکھا تکیہ میں کچھ لوگ چرس پی رہے ہیں اور چلم کا کش لگا کے یا علی مدد کا نعرہ لگاتے ہیں۔رک گئے،انہیں جھنجھوڑتے ہوئے کہا'' کیوں میاں! حضرت علی (رضی اللہ عنہ) چرس پیا کرتے تھے؟ چرس پی کر میرے باپ کا نام کیوں لیتے ہو،اپنے باپ کا نام لو۔''

☆کسی نے سوال کیا:

''شاہ جی! علی اور عمر (رضی اللہ عنہما) میں کیا فرق ہے؟''

فرمایا:''بڑا فرق ہے علیؓ حضور کے مرید تھے۔عمرؓ مراد...... اور سب خود حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے۔لیکن عمرؓ کو اللہ تعالیٰ سے مانگا تھا۔''

☆سوال کیا:''حضرت فاطمہ اور ان کی دوسری بہنوں رقیہ، ام کلثوم اور زینب (رضی اللہ عنہم) میں کیا فرق ہے؟''

فرمایا:''فاطمہ نبوت کے بعد کی صاحبزادی اور باقی نبوت سے پہلے کی صاحبزادیاں ہیں۔''

☆نیا ادب، جدت نہیں، بدعت ہے۔اس میں زیادہ تر کھلنڈرا پن ہے۔ہر عہد کے بیان کا ایک اسلوب ہوتا ہے۔ہمارے نئے لکھاری اسلوب بدل ڈالتے تو عیب نہ تھا۔عصری روح کا اقتضاء ہوتا لیکن انہوں نے مطالب بھی بدل ڈالے اور ان کی جگہ جو نئے مطالب لائے۔وہ محض تقلید، اخذ اور توارد ہیں اور تقلید بھی یورپ کے اس ہیجانی ادب کی جو مغرب میں معاشرہ و اخلاق اور دین و مذہب سے بغاوت کے نام پر جنا گیا ہے۔اس قسم کا ادب کبھی مستقل نہیں ہوتا۔یہ محض نعرہ بازی ہے جو ایک قوم، ایک عہد چھوڑتے وقت دوسرے عہد کی راہوں میں اختیار کرتی ہے۔یہ انقلاب نہیں، نراج ہے...... غم و غصہ کی یادگار ہمارے شاعر و ادیب نہیں جانتے کہ تقلید ارتقاء کی دشمن ہے۔اس سے جمود پیدا ہوتا اور انقلاب ٹھہر جاتا ہے۔ان لوگوں نے ادب کی پرانی قدروں سے بغاوت کے شوق میں ادب کے مسلمات بھی ترک کر دیے ہیں۔ہر قوم کی ایک زبان ہوتی، اس کا مزاج اور اس

مزاج کے رنگ ڈھنگ ہوتے ہیں۔ ہمارے ان ادیبوں اور شاعروں نے ان پر بھی ہتھوڑا چلایا ہے۔ یہ چیز عمدہ ہے کہ نئے ادب سے زنجیروں کے ٹوٹنے کی اوازآتی ہے لیکن حیرت ہے کہ ان ادیبوں کے ہاں ابلاغ کی روح نہیں جو ادب عوام کے لیے نہ ہو۔وہ ادب نہیں پہیلی ہے۔تعجب ہے کہ ادب میں عوام کی زبان کے استعمال پر زور دینے والے عوام کی زبان سے نابلد ہیں۔وہ جانتے ہی نہیں کہ جس قوم سے مخاطب ہیں اسے کس لہجہ سے پکارنا چاہیے اور اظہار کا وہ کون سا پیرایہ ہے جو ان کی زبان کا لازمہ ہے اور جس سے عوام حرکت میں آتے ہیں۔ نیا ادب عوام سے مغائرت کی بنیاد پر ہے۔اس کے پروڈیوسر مارکیٹ میں نہ تو اس کی ضرورت کا احساس کرا سکے ہیں اور نہ اس کی مانگ پائی جاتی ہے۔معلوم ہوتا ہے ایک خاص مزاج کے چند سولوگ ادب میں عریانی کی تحریک لے کر لکد کوبی کر رہے ہیں۔جد بد ادب...... بالفاظ دیگر اردو میں ہپی ازم ہے۔یہ لوگ بازار کے حسن کے تاجر ہیں۔ان کے ہاں آگ اور لہو کی سفارت نہیں تجارت ہوتی ہے۔یہ سرور نہیں نشہ بیچتے ہیں......گھٹیا نشہ جس سے نئی پود ادب کی آڑ میں گناہ کا جواز لاتی ہے۔

شاہ جیؒ نے اس ادب کے نوادرات کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا۔مثلاً یہی نظم ہے۔

چھن......چھن......چھن
چھنا چھن، چھنا چھن......چھنن
چھن......چھن......چھن
چھنا چھن، چھنا چھن......چھنن

فرمایا میں نے اس کے ناظم سے پوچھا......اس شہ پارہ کا مطلب کیا ہے؟ کہنے لگے۔

یہ صوتی تصویر ہے۔ایک محبوبہ آشنا سے ملنے کے لیے گھر سے نکلتی ہے تو اس کی رفتار چوری چھپے کی ہوتی ہے۔چھن......چھن......چھن۔پھر دائیں بائیں کے خطرات سے اپنے تئیں محفوظ پا کر آشنا کے مکان میں جھٹ سے داخل ہو جاتی ہے......چھنن۔لوٹتے وقت اسی طرح چوری چھپے نکلتی اور اپنے گھر میں چھنن سے داخل ہو جاتی ہے......چھن چھنن اس کے پازیب کی آواز ہے۔

فرمایا، اوّل تو یہ صوتی تصویر شاعری نہیں، کچھ اور ہے......خیال کی بدکرداری ہے اور اگر شاعری یہی ہے تو میں بوڑھا ہو کر بھی دن بھر میں کئی دیوان مرتب کر سکتا ہوں۔ جہاں تک اختصار کا تعلق ہے۔اس سے بھی مختصر یعنی دو حصوں میں پوری کہانی کہی جا سکتی ہے۔مثلاً

وصل کی شب اور ان کا کہنا
جاؤ بھئی ہم نہیں منتے

عوام سمجھ لیتے اور بات ادھوری نہیں رہتی۔دو مصرعوں میں پوری کہانی لپٹی ہوئی ہے۔